

عصر پیغمبر ﷺ پر قرآنی شواہد

محمد اصغر عسکری ☆

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک اہم رکن انبیاءؑ کے مقصوم ہونے کا عقیدہ ہے۔ طول تاریخ میں ہمیشہ اس موضوع پر گفتگو و بحث ہوتی رہی ہے۔ اور انسانیت کے ان روشن میناروں اور بشریت کے ان عملی نمونوں میں لوگوں نے ہمیشہ عیب جوئی کی کوشش کی ہے جن لوگوں میں ان بلند و بالا ہستیوں تک پہنچنے کی طاقت اور بہت نہیں تھی انہوں نے ہمیشہ ان نورانی ستاروں کو بلند و بالا مقام سے نیچے لانے کی کوششیں کی ہیں۔

اس بحث کی اہمیت کے لئے فقط یہ جانا کافی ہے کہ انبیاءؑ کی عصرت کے بغیر دینی عقائد میں ایسی دراثتیں پیدا ہو جائیں گی کہ جن کو کبھی پڑھنیں کیا جاسکتا۔

اگر انبیاءؑ کو عام لوگوں کی طرح خطا کا روغرش کرنے والا جان لیں تو نہ آسمانی کتب پر اعتماد کیا جاسکتا ہے اور نہ خالق و مخلوق کے درمیان کسی موثق واسطے کو ثابت کیا جاسکتا ہے، اور نہ انبیاءؑ کا قول و فعل ہدایت کا ذریعہ بن سکتا ہے، پس ان ہستیوں کے بارے میں معمولی سا اور ضعیف انتقال خطاب ہی اسلام کے بنیادی عقائد کو ختم کر سکتا ہے۔ اور اس صورت میں مقدر خلافت فوت ہو جائے گا اور انسان کے اس سفر کمال کو طے نہیں کیا جاسکے گا اور نتیجتاً جہالت و گناہ کی تاریکی اس عالم کو پنی لپیٹ میں لے لے گی۔ پس توحیدی ادیان، آسمانی کتب اور انبیاءؑ کی تعلیمات کو ثابت کرنے کے لئے ایسے موثق ذرائع کا ثابت کرنا ضروری ہے۔ جو ہر قسم کی خطاب و غرش سے پاک ہوں تاکہ عبد و معبدوں کے درمیان اتصال کا سلسلہ قائم ہو سکے یہی وجہ ہے کہ دینی عقائد میں تمام انبیاء اور بالخصوص پیغمبر اکرم ﷺ کی عصرت کی بحث بہت ضروری اور نہایت اہمیت کی حامل ہے۔

مسئلہ عصرت کو سب سے پہلی مرتبہ شیعہ متكلّمین نے بیان کیا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے آئندہ کو مقصوم ثابت کرنے کے لئے انبیاء کی عصرت کی بحث کی ہے۔

قرآن میں یہ صفت (عصرت) ملائکہ کے بارے میں اور خود قرآن کے بارے میں بھی استعمال ہوئی ہے۔

☆ مسئول شعبہ اجتماعیات، نور الہدیٰ ٹرست، بہارہ کہو، اسلام آباد

اس منظر تحریر میں پیغمبر اکرم ﷺ کی عصمت کے متعلق قرآنی شواہد کو بیان کیا گیا ہے:

ابتدا میں خود عصمت کا معنی واضح کرنا ضروری ہے کہ قرآن میں یہ کلمہ کن کن معانی میں استعمال ہوا ہے لفظ عصمت اپنے تمام مشتقات سمیت تیرہ مرتبہ قرآن میں آیا ہے، اگرچہ غفت میں یہ کلمہ ایک ہی معنی میں استعمال ہوا ہے اور وہ تمکہ دیکھنے کا معنی ہے۔^۱

سورہ آل عمران آیت نمبر ۲۰۱ میں ارشاد ہوا ہے

”وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۔“^۲

”خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور بکھرنہ جاؤ۔“

کبھی کلمہ عصمت ایسی چیز کہ جو حفاظت والا پہلو رکھتی ہے کے معنی میں بھی استعمال کیا گیا ہے اور اسی لحاظ سے پہاڑوں کی بلندی کو عصمت کہا جاتا ہے، اور لغت عرب میں ایسی رسی جس سے سامان کو باندھا جائے عصام کہتے ہیں۔ کیونکہ اس رسی کی وجہ سے سامان کھفرنے سے فیض جاتا ہے اور محفوظ رہتا ہے، بحال عقائد میں اس کلمے سے مراد خدا کے بعض صالح بندوں کا گناہ اور اشتباہ سے بچنا اور محفوظ رہنا ہے۔

معروف شیعہ متكلم علامہ فاضل مقدار فرماتے ہیں:

عصمت خدا کی طرف سے مکلف کے لئے ایک ایسا طرف ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے اطاعت کو ترک کرنے اور معصیت کو انجام دینے کا محکم ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ قدرت و اختیار کے ہوتے ہوئے۔^۳

اور عدیہ کا نظر یہ بھی اسی سے ملتا جاتا ہے اگرچہ اشنا عورہ نے عصمت کی تعریف میں اطاعت خدا اور معصیت خدا پر قدرت اور عدم قدرت کی بحث کی ہے جو یہاں ہمارا موضوع بحث نہیں ہے۔ کے البتہ موضوع سے متعلق چند نکات کی وضاحت ضروری ہے۔

(۱) پیغمبر ﷺ کے معصوم ہونے کا مطلب فقط گناہوں کو ترک کرنا نہیں ہے کیونکہ یہ تو ایک عام فرد سے بھی ممکن ہے کہ بعض حالات میں وہ گناہ نہ کرے لیکن اس کے اندر گناہ نہ کرنے کا ملکہ بایا جائے۔ جیسے بلوغ سے پہلے ایک بچ دنیا سے چلا جائے اور کسی خطا کا مرتكب نہ ہو۔ یا ایک ایسا شخص کہ جسے دورافتادہ علاقے میں قید کر دیا جائے اور اس کے لئے گناہ کرنا ممکن ہی نہ ہو۔

لیکن ایسے افراد کے لئے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ملکہ عصمت رکھتے ہیں جس شخص نے ساری زندگی شراب و یکھی تک نہ ہوا رہنے پی ہواں کے لئے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ معصوم ہے۔ بلکہ معصوم سے مراد ایک ایسا فرد ہے جو طاقت نفسانی ملکہ رکھتا ہو کہ جو سخت ترین حالات میں بھی جہاں گناہ کے تمام شرائط بھی موجود ہوں تب بھی کوئی خطاو غرض نہ کرے ایک ایسا ملکہ جو مکمل طور پر گناہ کی خرابیوں سے آگاہی رکھتا ہو اور چونکہ ایسا ملکہ خداوند متعال کی خاص عنایت کے بغیر ممکن نہیں ہوتا لہذا اس کا حقیقی فاعل اگرچہ خدا ہوتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ فرمود معصوم بھی اختیار کرتا ہے۔^۴

(۲) عصمت پیغمبر ﷺ سے مراد دونوں طرح کی عصمت ہے یعنی عصمت علمی بھی اور عصمت عملی بھی کیونکہ فرق ہے عصمت علمی اور عصمت عملی۔ میں ایک عام انسان ممکن ہے اپنے برے کا علم رکھتا ہو، اس کے اندر اچھائی برائی کی تشخیص دینے کا ملکہ موجود ہو، لیکن اس پر عمل نہ کرنے تو اس کے لئے کہا جاسکتا ہے کہ عصمت علمی رکھتا ہے، لیکن عصمت عملی نہیں ہے اور اسی طرح ایک اور شخص ممکن ہے اپنے برے کا دراک نہ رکھتا ہو اور عمل کے میدان میں سالم ہو اور گناہوں سے محفوظ ہو۔ تو اس کے لیے کہا جاسکتا ہے کہ عصمت رکھتا ہے۔^۹

(۳) عصمت یا نسبی ہوتی ہے اور یا عصمت مطلق ہوتی ہے۔ نسبی سے مراد بعض موارد اور بعض حالات میں مخصوص ہونا۔ ممکن ہے ایک فرد بعض گناہوں کی نسبت مخصوص ہو اور وہ گناہ انجام نہ دے۔ پیغمبر ﷺ کی عصمت سے مراد ہرگز عصمت نسبی نہیں ہے بلکہ مطلق عصمت مراد ہے۔ پیغمبر ﷺ کی عصمت کے بارے میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں بعض قائل ہیں کہ نبیؐ بعثت سے قبل اور بعد گناہ کبیرہ کا مرتبہ کامنکہ ہو سکتا ہے۔^{۱۰}
البته یہ نظریہ بہت کمزور اور قابل بحث ہے مतر لہ کے بعض اسلاف قائل ہیں کہ بعثت سے پہلے نبیؐ گناہ کبیرہ انجام دے سکتا ہے مگر بعد از بعثت ممکن نہیں ہے۔^{۱۱}

بعض دیگر فرقے گناہ کبیرہ کے ارتکاب کو نہ قبل از بعثت اور نہ بعد از بعثت جائز سمجھتے ہیں اور قائل ہیں کہ ایسے گناہاں صغیرہ جو فقط نفرت کا باعث ہوں، نبیؐ کے لئے ان کو انجام دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اشاعرہ ایسے گناہوں کو جو انجام دینے والے کی پستی کا موجب بینیں جائز نہیں سمجھتے (جیسے چوری کرنا) ایسے گناہ بعثت کے بعد عدم اوسحو جائز نہیں ہیں۔^{۱۲}

شیعہ اثناعشریہ کا نکتہ نظریہ ہے کہ ہر قسم کے گناہ کبیرہ و صغیرہ عمداً و سھواً بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد کسی صورت میں جائز نہیں ہیں۔ مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے ان اجمالی نظریات جانے کے بعد آئیے دیکھتے ہیں قرآن نے عصمت پیغمبرؐ کے حوالے سے کیا راہنمائی کی ہے؟

قرآن میں عصمت کے بارے میں متعدد آیات موجود ہیں، ان میں سے بعض مرحلہ ابلاغ رسالت کو بیان کرتی ہیں اور بعض پیغمبر ﷺ کے عصيان و اشتباہ (نفعو اللہ) پر ناظر ہیں۔ سورہ ص آیت نمبر ۸۲-۸۳ میں خداوند متعال نے قول شیطان کو نقل کیا ہے:

”فِعَزِّتَكَ لَا غُوْنَيْهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخَلَّصِينَ“

”شیطان نے کہا تیری عزت کی قسم میں سب انسانوں کو گمراہ کروں گا مگر تیرے مخصوص

بندے“

اس آیت میں لفظ مخصوص آیا ہے تو سب سے پہلے مخصوص اور مخصوص کا فرق واضح ہونا چاہیے مخصوص باب افعال کا اسم فعل ہے، اخلاص مصدر سے۔ مخصوص ایسے فرد کو ایسی چیز کو لہا جاتا ہے کہ جس نے اپنے عمل اور عقیدے کو خدا پر ایمان کے راستے میں خالص کر دیا ہو۔ اور مخصوص باب افعال کا اسم مفعول ہے یعنی ایسا فرد دیا چیز جس کو کسی اور نے خالص کیا ہو۔

لہذا مخلصین یعنی ایسے افراد کہ خدا کی مدد و لطف سے جن کا سر اپاوجو دخدا کیلئے خالص ہو جائے لہذا شیطان ہرگز ان پر مسلط نہیں ہو سکتا، دعائے ندب میں بھی خدا کے اولیاء کے لیے یہی تعبیر آئی ہے۔
 ”اوْلَشُكَ الدِّينِ اسْتَحْلَصْتُهُمْ لِنفْسِكَ وَدِينُكَ“

”تیرے وہ اولیاء جن کو تو نے اپنے لیے اور تیرے دین کے لیے خالص کیا ہے“
 اس آیت میں کلمہ مخلاص کا سب سے بڑا مصدق مخصوص ہے اگرچہ یہ مخصوص مختص نہیں ہے تعبیر اگرچہ نبیؐ سے مختص نہیں ہے مگر اس میں بھی کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے کہ اس کا مظہر کامل نبی ﷺ میں کہ جو ہرگز نفس اور شیطان کی پیروی نہیں کرتے ان مذکورہ دو آیتوں کے مشابہ ایک اور آیت بھی ہے سورہ جہر آیت نمبر ۲۴ میں ارشاد ہوا
 ”إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَنٌ“

خدانے شیطان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”تو ہرگز میرے بندوں پر مسلط نہیں رکھ سکے گا“

قرآن کی بعض دیگر آیات میں ان مخلصین کی نشاندہی بھی کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ عبادی یا عبادنا سے مراد کون ہیں؟ ان آیات میں انبیاء ہے میں سے چند نبیوں کا نام لیا گیا ہے۔ سورہ یوسف آیت نمبر ۲۴ میں حضرت یوسفؑ کو مخلص کہا گیا ہے سورہ مریم آیت ۵۱ میں حضرت موسیؑ کے بارے میں یہی تعبیر آئی ہے۔

ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خصوصیت کسی ایک نبی ﷺ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ مقام و منصب نبوت کا لازم ہے۔ قرآن کی بعض دیگر آیات میں پیغمبر اکرم ﷺ کی مطلق اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اور وہ پیغمبر ﷺ کی عصمت پر شاحد ہے۔ جیسے

”أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولَئِكُمْ أَمْرُ مِنْكُمْ“ ۳۳

”اطاعت کرو اللہ کی رسول کی اور تم میں سے جو صاحبان امر ہیں ان کی“

اس طرح کی دیگر آیات بھی موجود ہیں جن میں پیغمبرؐ کی اطاعت مطلقة کا حکم دیا گیا ہے۔ ان آیات میں پیغمبر اسلامؐ کی مطلق اطاعت کا حکم دینا ان کے مخصوص ہونے پر سب سے بڑا شاحد ہے۔ کیونکہ یہ آیات پیغمبر ﷺ کی اطاعت مطلقة کا حکم دیتی ہیں اور جب کسی کی اطاعت کسی خاص وقت اور فعل سے مقتید نہ ہو تو اس کا ہر قول و فعل قابل اطاعت ہو گا اور اس کے ہر قول و فعل کا قابل اطاعت ہونا دلیل ہے کہ وہ ہر قسم کی خطا سے پاک ہے کیونکہ اگر فرض کریں پیغمبرؐ خطا اور گناہ کرنے والے ہوتے تو محال ہے، خدا ان کی اطاعت کا حکم دے۔ پس معلوم ہوا پیغمبرؐ کے اعمال و کردار خدا کے دستور کے مطابق ہوتے ہیں۔ بہر حال قرآن کی بہت سی آیات پیغمبر ﷺ کو مخصوص اور قابل اطاعت جانتی ہیں بعض آیات پیغمبرؐ کے درست تلقی وہی پر ناظر ہیں اور بعض مقام ابلاغ رسالت میں عصمت پر دلیل ہیں۔

سورہ جن کی آیت نمبر ۲۸۔ ۲۶ میں ارشاد ہوا:

”عَلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا O إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ

يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدِيهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ۝ لِيَعْلَمَ أَنْ قَدْ أَبْلَغُوا رِسْلَتِ

رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۝

”وَهُنَّا غَيْبٌ كَا جَانِبِهِ وَالِّا هُنَّا اُولَئِكَ الَّذِينَ كَسَبُوا لَهُمْ مُؤْمِنَةً كَمَا سَوَاءَ اَنْ يَرَوُنَّا اَوْ لَا يَرَوْنَا“
جسے اس نے برگزیدہ کیا ہو وہ اس کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر کر دیتا ہے تاکہ اسے علم ہو جائے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچائے ہیں اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس پر اللہ نے احاطہ کر رکھا ہے اور اس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے“

اس آیت میں (ارتفع) اور یہ سلک کا فعل خداوند متعال ہے۔ من بین يدیہ و میں خلفہ یعنی سامنے سے اور پیچھے سے خدا نے محافظ قائم کیے ہوئے ہیں اس جملے کی تفسیر میں دو احتمال پائے جاتے ہیں پہلا احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ کے قلب مطہر کے اطراف میں خدا نے محافظ قائم کیے جو ہر قسم کے عامل تخریب کروکتے ہیں نہ شیطان اس میں نفوذ کر سکتا ہے اور نہ نیمان آسکتا ہے۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس جملے سے مراد یہ ہو کہ دریافت و حی کے وقت پیغمبر ﷺ کی دو حالتیں ہوتی تھیں ایک حالت یہ ہوتی تھی کہ پیغمبر مقامِ ربوبی کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ من بین يدیہ اسی کی طرف اشارہ ہے اور دوسرا اس رسالت کو ابلاغ کرتے وقت لوگوں کی طرف رخ کرتے تھے اور مقامِ ربوبی کی طرف پشت ہو جاتی تھی۔ و من خلفہ اس دوسری حالت کی طرف اشارہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ خداوند متعال جب وحی کرتا ہے تو ہر طرف سے فرشتوں کو مامور کرتا ہے تاکہ وہ دریافت و حی، حفاظت و حی اور ابلاغ و حی کے تمام مراحل میں نبی ﷺ کی حفاظت کریں تاکہ وہ کسی قسم کے اشتبہ و خطا سے دوچار نہ ہوں۔

سورہ نساء آیت نمبر ۱۲۳ میں ارشاد ہوتا ہے۔

”وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ آهَمَتْ طَآئِفَةً مِنْهُمْ أَنْ يُضْلُلُوكَ وَمَا

يُضْلُلُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ.....“

”اور (اے رسول) اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت آپ کے شامل حال نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ نے تو آپ کو غلطی میں ڈالنے کا فیصلہ کر لیا تھا حالانکہ وہ خود کو ہی غلطی میں ڈالتے تھے اور وہ آپ کا تو کوئی نقصان نہیں کر سکتے اور اللہ نے آپ پر کتاب و حکمت نازل کی ہے اور آپ کو ان باتوں کی تعلیم دی جنہیں آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے“

مفسرین نے اس آیت کے متعدد شانِ نزول بیان کیے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دن پیغمبر گرامی اسلام ﷺ کے کسی صحابی کی ذرہ چوری ہو گئی زرہ والے مالک نے کسی پر چوری کا گمان کیا تو جب چور کو خطہ محسوس ہونے لگا تو اس نے زرہ کو ایک یہودی کے گھر میں پھینک دیا اور اپنے قبیلے والوں سے کہا کہ پیغمبر کے پاس جائیں اور میری بے گناہی کی گواہی دیں اور بتائیں کہ وہ زرہ ایک یہودی کے گھر میں ہے۔ لوگوں نے یہودی کو چور سمجھ لیا اور جس نے چوری کی

تھی اس کو بے قصور ٹھہر انے لے گئے اس دوران پیغمبرؐ پر وحی نازل ہوئی، خدا نے سارا واقعہ اور حقیقت سے اپنے جبیب کو آگاہ کر دیا۔ اور پھر یہ آیت نازل ہوئی اگر خدا کا فضل اور رحمت شامل حال نہ ہوتی تو لوگ خلاف واقع عمل کر کے رسول کو بہکانے کی کوشش کر رہے تھے (علّمک) سے پتہ چلتا ہے کہ خدا کی طرف سے کتاب و حکمت کے علاوہ بھی تعلیم کے لیے رسول خدا ﷺ کے پاس خصوصی ذرائع موجود تھے جن کی وجہ سے رسول خدا ﷺ علم و معرفت اور کشف حقائق کی اس منزل پر فائز تھے کہ جن کے بعد خلاف عصمت کسی غلطی کے سرزد ہونے کا امکان نہیں رہتا چنانچہ علم و یقین کا نتیجہ عصمت ہے، البتہ علم و یقین حاصل ہونے کے بعد عصمت قائم رکھنے پر مجبور بھی نہیں ہوتے بلکہ یہاں عزم و ارادہ نفس کی پاکیزگی اور محبت الہی کی وجہ سے اپنے اختیار سے عصمت پر قائم رہتے ہیں، اسی وجہ سے مخصوص کی عصمت اس کے لیے باعثِ فضیلت ہے۔

سورہ الحلقۃ آیات ۲۷۸ تا ۲۸۳ میں فرمایا:

”وَلَوْ تَقُولَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَفَوْيِنِ“

”اگر وہ (نبی) تھوڑی سی بات بھی گھر کر ہماری طرف منسوب کرتے تو ہم اسے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے پھر اس کی شرگ کاٹ دیتے، پھر تم میں سے کوئی مجھے اس سے روکنے والا نہ ہوتا،“

سورہ یونس میں ارشاد ہوا:

”وَإِذَا تُسْلِمَى عَلَيْهِمْ إِيمَانُنَا تُبَيَّنِتْ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا أَئْتُ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا أَوْ بِدَلْلَهُ فُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مَنْ تَلَقَّأَنِي نَفْسِي إِنْ أَتَيْعُ إِلَّا مَا يُوْحَى إِلَى إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمَ عَظِيمٍ“

”اور جب انہیں ہماری آیات کھول کر سنائی جاتی ہیں تو جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لے آؤ یا اسے بدل دو کہہ دیجیے مجھے اختیار نہیں کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں میں تو اس وحی کا تابع ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے، میں اپنے رب کی نافرمانی کی صورت میں بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں،“

مخالفین عصمت پیغمبر اسلام نے چند آیات قرآنی کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے آئیے ان آیات میں غور و فکر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کیا یہ آیات پیامبر اسلام ﷺ کی عصمت کے خلاف کوئی شاہد بن سکتی ہیں یا نہیں؟ خداوند متعال نے سورہ ضحیٰ میں فرمایا ہے!

”وَوَجَدَ كَضَالًا فَهَدَى“

اس آیت میں خدا نے پیغمبر اکرم ﷺ کو ایک فریدصال کہا ہے اور یہ پیغمبر ﷺ کی جوانی اور بعثت سے پہلے کے

بارے میں فرمایا:

”الْمُيَجِدُكَ يَتَّیمًا فَأَوَى وَوَجَدُكَ ضَالًا فَهَدَى وَوَجَدُكَ عَائِلًا فَاغْنَى“

”اے رسول کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر پناہ دی اور اس نے آپ کو ضال (ناواقف) پایا تو راستہ دکھایا“

استدلال کرنے والوں نے ضال کا معنی گمراہ کیا ہے اور کہا ہے کہ ضال کو ہدیٰ کے مقابلے میں لا یا گیا ہے جو دلیل ہے کہ اس ضال سے مراد گمراہی ہے، اور گمراہی یعنی؛ دینی امور میں گمراہی جو کہ عصمت سے مناقف رکھتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ضال لغت عربی میں تین معانی میں استعمال ہوتا ہے، گمراہ گنمام اور گمشدہ اگر ضال بمعنی گمراہ ہو جیسا کہ استدلال کرنے والوں نے بھی معنی مراد لیا ہے اور سورہ فاتحہ کی اس آیت کو بھی شاہد کے طور پر پیش کیا ہے کہ

”غَيْرُ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ“

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ضال کے دو استعمال ہیں

(۱) تاریکی دل جو کفر و شرک یا گناہوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے

(۲) فاقد ہدایت عذری ہے جیسے ایک بچہ جس کی زندگی کی ابھی چند بہاریں گذری ہوں وہ فاقد ہدایت ہوتا ہے، اور زندگی کے اس حصے میں فاقد ہدایت ہونا کوئی برائی نہیں ہے اور اس آیت میں ضال اس معنی میں ہے، نہ کہ وہ گمراہی جو دل کی سیاہی کا نتیجہ ہو، اور اس مطلب پر شاہد یہ ہے کہ ان آیات میں خداوند متعال نے اپنی ان نعمتوں کا ذکر کیا ہے جو اس نے اپنے حبیب کو عطا کی ہیں، فرمایا تم بچپن میں یتیم ہو گئے تھے ہم نے تمہیں پناہ دی یعنی؛ عبدالملکب اور ابو طالب کے ذریعے تمہاری پرورش کی، اور زندگی کی ابتداء میں تم فاقد ہدایت تھے کیونکہ کوئی بھی موجود بالذات کمالات کا حامل نہیں ہوتا، بلکہ جو بھی وہ کمال حاصل کرتا ہے وہ خدا سے لیتا ہے اور اگر خدا کا لطف نہ ہوتا تو کوئی بھی انسان را ہدایت کون پہنچتا اسی مطلب کو خدا نے قرآن میں بیان کیا ہے۔

”رَبُّنَا اللَّهُ يَعْطِي كُلَّ شَيْءٍ إِخْلَقَهُ ثُمَّ هَدَى“ (القرآن، ط آیت نمبر ۵۰)

”ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت بخشی پھر ہدایت دی“

لہذا خداوند متعال نے ابتداء سے ہی ہر موجود کی ہدایت کا اہتمام کیا ہے، سورہ بخشی کی اس آیت میں ضال سے مراد ایسی ہدایت کا فقدان ہے اور یہ عصمت کے منافی نہیں ہے۔

پس ضلال سے مراد ابتدائی زندگی میں ہدایت کا فقدان ہے اور فہدی سے مراد تکوین و تشریعی ہدایت ہے دوسرا

آیت جس کو شاہد کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ سوری آیت ۵۲ ہے ارشاد ہوا:

”وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوْحًا مِنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا

لَا يُمَانُ وَلَا كُنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا إِنَّهُ دُلْيٌ بِهِ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي

إِلَى صِرَاطِ مُسْتَقِيمٍ“

”اور اسی طرح ہم نے اپنے امر میں سے ایک روح آپ کی طرف وحی کی ہے آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ہی ایمان کو جانتے تھے لیکن ہم نے اسے روشنی بنا دیا جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں اور آپ تو یقیناً سید ہے راستے کی طرف را ہنمائی کر رہے ہیں،“

مخالفین عصمت نے اس آیت میں مانکنت تدری ما الکتب ولا الا یمان، کو شاہد بنایا ہے کہ پیغمبر گرامی اسلام وحی سے ”قبل فاقد ایمان“ تھے اور وحی کے بعد آپ ایمان لائے اور جو انی زندگی کے کسی حصے میں ایمان نہ رکھتا ہو وہ کیسے معصوم ہو سکتا ہے؟

اس کا جواب دینے سے پہلے یہوضاحت بھی ضروری ہے کہ اس سوچ کے حامل افراد پہلے کوئی نظر یہ قائم کرتے ہیں پھر دلیل کوڈھونڈتے ہیں ورنہ اس آیت میں اس طرح کی دیگر آیات میں معمولی سے خور و فکر سے بھی آیت کے مطلب کو سمجھا جاسکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مانکنت تدری، اور مانکان، کے جملے عرب ایسی جگہ میں استعمال کرتے ہیں جہاں کسی چیز سے اس کے امکان کی نفع کی جائے قرآن نے بھی یہ جملے ایسی ہی جگہ استعمال کیے ہیں شاہد کے طور پر قرآن کی یہ آیات پیش ہیں، (آل عمران ۱۲۵، آل عمران ۱۲۶، توبہ ۱۷) لہذا آیت مورد بحث میں بھی حقیقت میں اسی امکان کی نفع ہوتی ہے مانکنت تدری ما الکتب ولا یمان، سے مراد یعنی اے رسول ﷺ اگر ہم آپ پر وحی نازل نہ کرتے تو کتاب سے آگاہی اور ایمان لانا تیرے لیے ممکن ہی نہیں تھا۔ سورہ حود آیت نمبر ۲۹ میں بھی مانکنت تعلمہا، اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اگر ہم وحی نہ کرتے تو اے رسول ﷺ آپ اس کتاب کے بارے میں کچھ نہیں بھی نہ جان سکتے۔

پس مخالفین عصمت نے اپنے زعم باطل کی بنیاد پر ان آیات کو عصمت پیغمبر اسلام کے منافی جانا ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور واضح ہو گیا کہ یہ آیات کسی حوالے سے بھی رسول خدا ﷺ کی عصمت کے منافی نہیں ہیں۔ اگرچہ یہ بحث نامکمل ہے کیونکہ مخالفین عصمت پیغمبر کے لیے بھی آیات کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ لیکن یہ موضوع ایک الگ مقالے کا مقاضی ہے لہذا ایسا پر بحث نہیں کرتے۔

اس مقالے کے آخر میں سہو نبی کے بارے بحث کرنا ضروری ہے تاکہ بحث مکمل ہو جائے اشاعرہ اور معتزلہ جو پیغمبر کے لیے گناہ صغیرہ کو سہو اجازت سمجھتے ہیں اس مسئلہ میں بھی سہو نبی کے قائل ہیں اور اس سہو سے مراد امور شرعی کی تقطیق میں خطاب ہو جیسے نماز کی رکعتاں میں بھول جانا۔

یا امور شخصی و مادی میں خطاب ہو جیسے پیغمبر ﷺ کی قرضہ دینے میں اشتباہ کریں، اشاعرہ اور معتزلہ سہو کی ان دونوں قسموں کو پیغمبر کے لیے جائز سمجھتے ہیں جب کہ شیعہ امامیہ کا تقریباً اتفاق ہے کہ نبی سہو نبی کر سکتا۔

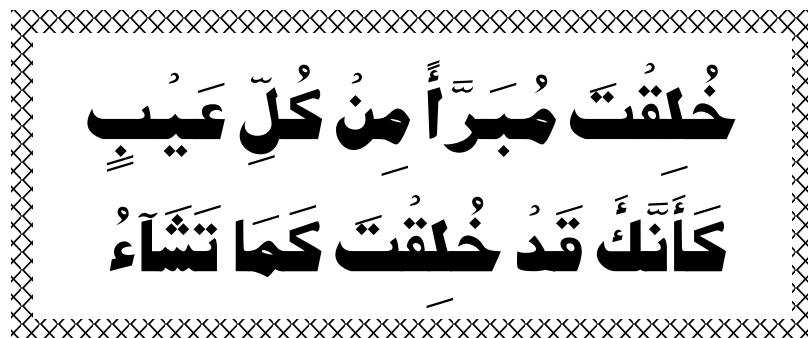
”شیخ بہائی“ کو جب کسی نے کہا کہ شیخ صدوق سہو نبی کے قائل ہیں تو انہوں نے خوبصورت جملہ فرمایا:

”سہوہ فی سہو النبی“

یعنی شیخ صدوق نے سہو نبی والے مسئلے میں خود سہو کیا ہے۔^{۱۳}

بھر حال علماء شیعہ کی واضح اکثریت جیسے شیخ مفید، شیخ طوی، محقق حلی، علامہ حلی خواجہ نصیر الدین طوی شہید اول، فاضل مقدار، شیخ حرمائی، علامہ مجلسی، سہو نبی کو جائز نہیں جانتے۔ اور واضح کیا ہے کہ اس کا فلسفہ یہ ہے کہ اس سے لوگوں کا نبی پر اعتماد باتی نہیں رہے گا اور لوگوں کے درمیان نبی کے بارے نفرت پیدا ہو جائے گی، اور نبی کا کردار و گفتار قابل عمل نہیں رہیں گے۔

اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام انبیاء ۔۔ اور بالخصوص سید الانبیاء پیغمبر گرامی اسلام ان قرآنی آیات کی روشنی میں دریافت و حجی، حفاظت و ابلاغ و حجی اور علم و عمل کے تمام مراتب میں معصوم ہیں، اور عمداً اور سہواً ہر قسم کی خطاسے پاک ہیں۔



حوالہ جات

- ١۔ عقیدۃ الشیعہ
- ٢۔ القرآن، اتحریم، ۲۲
- ٣۔ القرآن، الفصلت، ۳۳، ابو الحسین احمد بن فارس
- ٤۔ مقامیں اللغو، ج ۳، ص ۳۳۱، ابو الحسین احمد بن فارس
- ٥۔ القرآن، آلمرا، ۱۰۲
- ٦۔ فاضل مقداد، ارشاد الطالبین، ص ۳۰۱
- ٧۔ السيد الشیرف علی بن محمد رجانی، شرح المواقف، ج ۸، ص ۲۸۰
- ٨۔ آموزش عقائد، مصباح یزدی، درس ۲۲
- ٩۔ جوادی، آملی، تفسیر موضوعی قرآن، ج ۹، ص ۵
- ١٠۔ فرقہ حشویہ
- ١١۔ قاضی عبدالجبار معتزی، شرح اصول الحسنه، ص ۵۷
- ١٢۔ شرح تجوید الاعقاد، فاضل توکلی، ص ۳۶۴
- ١٣۔ القرآن، الاحزاب، ۱
- ١٤۔ الحمایت ج ۲، ص ۱۸۰، حسن بن محمد کنی



نبی مکرم ﷺ حضرت ابو طالب - کی کفالت میں

آفتاب حسین جوادی ☆

تمام روئے زمین کے قبائل و شعوب میں سے قریش کو ہر لحاظ سے اتنی زی حیثیت حاصل ہے اور پھر قریش سے خاندان بنوہاشم باعتبار نسب تمام اہل عالم سے افضل و اعلیٰ ہے جو ملت ابراہیم - کا امین چلا آ رہا تھا نیز خانہ کعبہ کی تولیت کے شرف کے باعث ایک عظمت کا حامل بھی تھا اور بنوہاشم کی فضیلیت کا راز نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے وابستہ ہے چنانچہ اس سلسلہ میں کتب احادیث میں بکثرت روایات پائی جاتی ہیں نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جبریل نے مجھ سے بیان کیا۔

”قلّب الارض مشارقها ومغاربها فلم اجد احداً افضل من محمد

صلی الله عليه وآلہ وسلم وقلبت الارض ومشارقها ومغاربها فلم اجد

بنی اب افضل من بنی هاشم“

”میں نے زمین کے مشارق مغرب کو اٹا پلٹا کیا ہے گر کسی شخص کو حضرت محمد ﷺ سے افضل نہیں پایا اور میں نے مشارق و مغرب کی گردش کی لیکن کسی باپ کے بیٹوں کو بنی ہاشم سے افضل نہ پایا۔“

اللہ تعالیٰ نے اسی معزز ترین خاندان میں سے بنی مکرم حضرت محمد ﷺ کو منتخب کیا ہے جو بشارت حضرت موسی - کا مددعا اور نوید حضرت عیسیٰ - کا مقتضا، وحدت کا معلم اور نبوت کا خاتم بن کر تشریف لائے۔ جب کہ سایہ پدری بھی اُڑھ پکا تھا آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب اس نور علی نور کو اٹھا کر خانہ کعبہ میں لے گئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے اور اس کی عطا پر شکرا دا کرتے، کافی دیر کھڑے رہے آپ جب چھ برس کے ہوئے تو والدہ محترمہ بھی انتقال فرمائیں، آپ اپنے دادا جان کے ساتھ رہے جو سردار بنی ہاشم تھے جن کے لیے کعبۃ اللہ کے زیر سایہ فرش بچھایا جاتا اور ان کے فرزندان اس کے اطراف میں بیٹھتے، اپنے والد بزرگوار کی عظمت کے پیش نظر فرش پر کوئی نہ بیٹھتا تھا، لیکن حضور

☆محقق، مؤلف، استاذ جامعہ الکوثر، اسلام آباد

نبی کریم ﷺ جب تشریف لاتے تو وہ اپنے دادا جان کے ساتھ فرش پر بیٹھ جاتے، آپ کو ہٹانے کے لیے جب کوئی شخص پکڑتا تو حضرت عبدالمطلب - فرماتے کہ ایسی جسارت مت کرو، خدا کی قسم یہ تو بڑی شان والا ہے اور پھر آپ کی پشت مبارک پر ہاتھ پھیرتے رہتے، حضرت عبدالمطلب - کے موحد ہونے کی ایک زبردست دلیل یہ ہے کہ جب ابرہم نے ہاتھیوں کا شکر لے کر خانہ کعبہ پر چڑھائی کی تو اس کے شکری حضرت عبدالمطلب - کے اوٹ پکڑ کر لے گئے۔ حضرت عبدالمطلب - کو جب یہ اطلاع دی گئی تو آپ اپنے اوٹ واپس کرانے کے لیے ابرہم کے خیمے کی طرف روانہ ہوئے، ابرہم نے دور سے دیکھا کہ قریش کے سب سے معزز خاندان بنوہاشم کے سردار جو خانہ کعبہ کے کلید بردار بھی ہیں، آرہے ہیں اور وہ یقیناً خانہ کعبہ سے محاصرہ اٹھانے کا مطالبہ کریں گے، لیکن معاملہ اس کے عکس ہوا کہ عبدالمطلب نے جب اپنے اوٹ واپس لینے کا مطالبہ کیا تو ابرہم ہجیران ہو کر بولا:

”اے سردار بنوہاشم آپ اپنے انہوں کی واپسی کا مطالبہ تو لے کر آگئے مگر خانہ کعبہ کے متعلق کوئی بات ہی نہیں کی“

حضرت عبدالمطلب - نے فرمایا کہ اوٹ میرے ہیں، جس کے لیے میں آیا ہوں، خانہ کعبہ اللہ تعالیٰ کا ہے میرا نہیں۔

حضرت عبدالمطلب - کا یہ جواب آپ کے ایمان بالتوحید پر واضح دلیل ہے جس پر سورہ فیل شاہد ہے کہ ہاتھیوں کے اس شکر کو اللہ تعالیٰ نے ابیلیوں سے انکرایا اور کرتباہ کیا اور یہ اس طبقے کے لیے بھی دعوت فکر ہے جو حضور ﷺ کے آباء و اجداد کے ایمان کا قائل نہیں، حضور نبی کریم ﷺ نے ابھی آٹھویں سال میں ہی قدم رکھا تھا کہ حضرت عبدالمطلب رحمت فرمائے اور وقت آخر پر فرزندوں میں سے حضرت محمد ﷺ کو حضرت ابوطالب - کی کفالت میں دے دیا چنانچہ اس سلسلہ میں علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکہ لکھتے ہیں:

”فَإِنْ أَبَا طَالِبٌ رِبَابَهُ صَغِيرًا وَآوَاهُ كَبِيرًا وَنَصْرَهُ وَقَرَهُ وَذَبَّ عَنْهُ وَمَدَحَهُ

بِقَصَائِدِ غَرَرِ رَضِيِّ بَاتِبَاعِهِ“

”بے شک حضرت ابوطالب - نے نبی کریم ﷺ کی بچیں میں پرورش کی اور آپ کو

بڑی عمر میں ٹھکانا دیا اور آپ کو عزت و وقار دیا، آپ سے دشمنوں کی تکالیف کو دور کیا اور

بہت سے شاندار قصیدوں میں آپ کی تعریف فرمائی اور آپ کے تعین کی بھی عزت کی

اور سے راضی رہے“

اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی نے ”الاصابہ فی تعمیر الصاحبہ“ میں حضرت ابوطالب کے تذکرہ میں واشگاف الفاظ میں لکھا

”ولِمَا ماتَ عبدُ الْمَطَّالِبَ أَوْصَى مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَفَلَهُ وَاحْسَنَ تَرْبِيَتَهُ

وَسَافَرَ بِهِ صَحْبَتِهِ إِلَى الشَّامِ وَهُوَ شَابٌ وَلَمَّا بَعْثَ قَوْلَهُ أَهْلَ مَكَّةَ فَسَقَوْا وَابِي ضَ

يَسْتَقِيِّ الْعَمَامَ بِوْجَهِهِ ثَمَالَ الْيَتَامَىِ عَصَمَتْهُ لِلَّارَامَلَ وَمِنْهَا قَوْلَهُ مِنْ قَصِيدَةِ

وَشَقَّ لَهُ مِنْ اسْمِهِ لِيَجْعَلَهُ فَذَوَ الْعَرْشِ مُحَمَّدٌ هَذَا مُحَمَّدٌ“

”جب حضرت عبدالمطلب۔ کا وقت انتقال آیا تو انہوں نے حضرت ابوطالب۔ کو محمدؐ کے لیے وصیت فرمائی، حضرت ابوطالب۔ نے آپ کی کفالت فرمائی اور بہترین تربیت کی اور شام کے سفر کو تشریف لے گئے تو آپ کو اپنے ساتھ رکھا، یہاں تک کہ آپ جوان ہو گئے اور پھر جب آپ نے اعلان نبوت فرمایا تو ابوطالب۔ آپ کی نصرت و حمایت پر کمر بستہ ہو گئے اور آپ کی مدح و تعریف میں کئی قصائد انشاء فرمائے ان کا ایک شعر یہ ہے، جس میں نبی کریم ﷺ کے صدقہ سے اہل مکہ کو باش نصیب ہوئی، اور وہ گورے رنگ والے جن کے چہرہ انور کے صدقہ سے بارش طلب کی جاتی ہے جو تیموں کی جائے پناہ اور بیواؤں کے نگہبان ہیں، اور آپ کے قصیدے کا ایک شعر یہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا اسم گرامی اپنے اسم گرامی سے مشتق فرمایا پس وہ عرش پر محمود ہے اور یہ محمد ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)۔^۲

بہی بات علامہ سید الناس متوفی ۳۴۷ھ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ”عیون الاثر فی فنون المغاری والشمائل والسریر“، جلد اول، ص ۷۶ مطبوعہ بیروت، میں لکھی ہے کہ جب آپ کی والدہ محترمہ کا وصال ہوا تو آپ کے دادا جان حضرت عبدالمطلب۔ آپ کے کفیل ہوئے، جب آپ آٹھ برس دو ماہ دس دن کے ہوئے تو آپ کے دادا جان انتقال فرمائے پھر آپ کے چچا جان حضرت ابوطالب نے آپ کی کفالت فرمائی۔ مشہور فسروں علامہ شیخ محمد شریفیں اخنطیب اپنی تفسیر میں سورہ واضعی کی آیت مبارکہ ”اللّمُ يَجُوْكَ يَتِيمًا فَأَوْيَ“ کے ذیل میں رقم طراز ہیں:

”ای بان ضمک الی عمک ابی طالب فاحسن تربیتک“
”یعنی نبی کریم ﷺ کو حضرت ابوطالب کی آغوش میں دے دیا تو انہوں نے آپ کی بہت اچھے طریقے سے تربیت فرمائی“^۳

علامہ فخر الدین الرازی مذکورہ مبارکہ مسیحیہ کی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں:

”وَكَانَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ يُوصَى إِبَاطَالِبَ بِهِ لَانَ عَبْدُ اللَّهِ وَابَا طَالِبَ كَانَ مِنْ أَمْ وَاحِدَةٍ فَكَانَ ابُو طَالِبٍ هُوَ الَّذِي يَكْفُلُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“
”حضرت عبدالمطلب نے جناب ابوطالب کو رسول ﷺ کی کفالت کی وصیت فرمائی تھی کیونکہ حضرت ابوطالب۔ اور حضرت عبد اللہ۔ (واللہ بیغیر ﷺ دونوں ایک ہی ماں کے لیطن اطہر سے پیدا ہوئے تھے اور حضرت ابوطالب۔ وہ ہیں جنہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کی کفالت فرمائی تھی،^۴“

حبر الامت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

”یتیماً بلا أب ولا م فاوی فاوی اک الی عمک ابی طالب“

”بغیر ماں باپ کے فاوی، آپ کو ان کے عزم حترم ابوطالب کی آغوش عطا فرمادی“^۵

حافظ ابن کثیر الدمشقی لکھتے ہیں:

”وله العمر ثمان سنین فکفله عمه ابو طالب ثم لم يزل يحوطه وينصره

والا حوى ويرفع من قدره ويوقره ويکف عنه اذى قومه“

”آپ کی عمر مبارک اس وقت آٹھ برس تھی جب آپ کے عزم مختتم ابوطالب نے ان کی کفالت فرمائی حضرت ابوطالب ہمیشہ نبی مکرم ﷺ کا احاطہ کیے رہے اور آپ کی نصرت و حمایت کرتے رہے اور آپ کو ہر اس چیز سے بچاتے رہے جو آپ کی عزت و توقیر پر حرف لانے والی ہو اور ہر حال میں ان (کفار مکہ) کی اذیتوں سے آپ کو بچاتے رہے۔

عظم مفسر علامہ نظام الدین حسن نیشاپوری اپنی تفسیر غرابی القرآن بجا مش تفسیر ابن جریر پ ۳۰۹، ص ۱۰۹ مطبوعہ بولاق مصر ۱۳۲۹ھ میں مندرجہ بالا آیت مبارکہ کے ذیل میں یوں صراحت کرتے ہیں۔

”فَكَفَلَ أَبُو طَالِبٍ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى أَنْ اتَّبَعَهُ اللَّهُ لِلرِّسَالَةِ فَقَامَ

بنصوتہ مدت مدیدہ و عطفہ اللہ علیہ فاحسن تربیتہ“

”حضرت ابوطالب - نے رسول ﷺ کی کفالت فرمائی تھی کہ آپ کی بعثت کا وقت قریب آگیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب رسالت پر متن肯 فرمادیا، اس طویل عرصے میں حضرت ابوطالب - آپ کی نصرت کرتے رہے اور ان کی زیر کفالت اللہ تعالیٰ اپنے (رسول) کی بہترین تربیت فرماتا رہا“

علامہ جمال الدین یوسف ابن البر دم توفی ۹۰۹ھ نے اپنی بیش بہا تصنیف ”أشجرۃ النبویۃ فی نسب خیر البریۃ“ ص ۱۱، ۱۲۲، ۱۸۳، مطبوعہ دارالكتب العلمیہ بیروت ۱۳۲۶ھ میں بالتصویر تحریر کیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے وصیت کی تھی کہ محمد ﷺ کی کفالت حضرت ابوطالب کریں اور رانہوں نے ہی آپ کی کفالت و پروش کی ہے۔

بعینہ یہی صراحت بہت سی مستند کتب میں دیکھی جاسکتی ہے چنان ایک کے نام یہ ہیں،

(۱) شرف المصطفی للحافظ عبد الملک بن ابی عثمان الجنوشی النیشاپوری المتوفی ۳۰۰ھ جلد اول ۳۸۹ھ تاص ۳۹۱ طبع دارالبیانات الاسلامیہ کما المکرر مطابعہ الاولی ۱۳۲۲ھ

(۲) (باب التاویل للخازن، ج ۷، ص ۲۱۶، مطبوعہ التقدم مصر ۱۳۳۲ھ)

(۳) (تفسیر معلم التنزیل للبغوی، ج ۲، ص ۲۳۹، مطبع فتح الکریم بکھی ۱۳۰۹ھ)

(۴) (تفسیر صاوی علی الجلالین للشیخ احمد الصاوی الماکی، ج ۲، ص ۲۸۷ طبع دار احياء الکتب العربیہ مصر)

(۵) (تفسیر فتوحات الالھیہ بتضییح تفسیر الجلالین المعروف به جمل، ج ۲، ص ۲۲۳، طبع اکمل المطابع دہلی ۱۲۸۵ھ)

(۶) (تفسیر جلالین مع صاوی، ج ۲، ص ۲۸۷)

نیز شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تفسیر عزیزی پارہ نمبر ۳۰۰، ص ۲۱۹، مطبع محمدی لاہور ۱۳۰۵ھ میں بھی بالتصویر ذکر

کیا ہے بلاشبہ حضرت ابوطالب - نے اپنے والد بزرگوار کی وصیت کے مطابق سرور کائنات ﷺ کو اپنی آنکھوں تربیت میں لیا اور نہایت حسن و خوبی سے وہ تمام فرائض جو ایک مردی کے لیے ضروری ہیں انجام دیئے جس کا اعتراف ہر عہد کے مورخ نے کیا ہے چنانچہ مشہور مورخ محمد بن سعد بصری متوفی ۲۳۰ھ نے واشگاٹ الفاظ میں تحریر کیا ہے۔

”کان يحبه حباً شديداً لا يحبه ولده و كان لا ينام الا الى جنبه ويخرج فيخرج معه و صب به ابو طالب صباية لم يصب مثلها بشيء قط وكان يخصه بالطعام“

”حضرت ابوطالب - حضور نبی کریم ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے اور اپنی اولاد سے زیادہ آپ کو چاہتے تھے آپ ہی کے پہلو مبارک میں سوتے، جب حضرت ابوطالب - کہیں باہر جاتے تو نبی کریم ﷺ کو اپنے ساتھ لے جاتے اور دنیا جہان کی ہر چیز سے زیادہ آپ پر فریضۃ و گرویدہ تھے“ کے

حضرت ابوطالب - آپ سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ آپ کو دیکھتے ہی ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے کیونکہ انہیں مسلسل یہ خطرہ رہتا تھا کہ کہیں کوئی دشمن رسول اللہ ﷺ کو روات کے وقت سوتے ہوئے قتل نہ کر دے۔ لہذا حضرت ابوطالب - کا یہی وظیفہ رہا کہ رات کا کچھ حصہ گزر جانے کے بعد وہ نبی کریم ﷺ کو ان کے بستر سے اٹھا کر کہیں اور سلاادیتے تھے اور اس جگہ اپنے بیٹے حضرت علیؓ کو سلاادیا کرتے تھے ایک روز ایسے موقع پر حضرت علیؓ نے کہا بابا جان! کیا میں یہاں قتل کر دیا جاؤں گا۔ حضرت ابوطالب - اپنے بیٹے کے اس سوال سے نہایت متاثر ہوئے اور فرمایا بیٹا علی - !! ہم نے تمہیں اس شدید اتنا کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ کا فدیہ بنادیا ہے۔

حضرت ابوطالب - تاجر انہیت سے ایک قافلے کے ساتھ شام کی جانب روانہ ہونے لگے تو حضور ﷺ کو اپنے ساتھ ہی ہمسفر رکھا ان کی جدائی گوارانہ کی، دوران سفر کے مجرمات، ابر کے ٹکڑے کا سایہ گلن ہونا، درخت کی ڈالیوں کا آپ پر جھکنا تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں عام ملتا ہے نصرانی راہب کالات و عزی کی قسم دے کر حضور ﷺ سے یہ کہنا کہ جوبات میں پوچھوں بتائے جائیں اور آپ کا یہ جواب دینا کہ

”لا تسالى باللات والعزى شيئاً فو الله ما ابغضت شيئاً فقط بغضهما“

”لات و عزی کی قسم دے کر مجھ سے کوئی بات نہ پوچھ، خدا کی قسم مجھے ان دونوں سے جتنا بغض ہے اور کسی چیز سے بھی نہیں رہا“

آپ کا یہ جواب سن کر وہ ششدہ رہو کر رہ گیا پھر اس نے آپ کی پشت مبارک دیکھی دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت کا نشان اس مقام پر موجود تھا، جہاں نصرانی راہب کی کتاب میں اُس کا تذکرہ مرقوم تھا، نصرانی نے حضرت ابوطالب - سے دریافت کیا، اس لڑکے کا آپ سے کارثہ ہے؟ انہوں نے فرمایا میرا بیٹا ہے راہب نے کہا یہ آپ کا بیٹا نہیں ہو سکتا اس لڑکے کا اپ زندہ نہ ہونا چاہیے، حضرت ابوطالب - نے فرمایا کہ یہ میرے بھائی کا

بیٹا ہے نصرانی راہب نے کہا پھر اس کا باب پ کھاں ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے تب راہب نے کہا آپ نے تجھ کہا اپنے اس سچیتگی کو لے کر اپنے شہر کو واپس جاؤ اور یہود سے اس کی حفاظت کرو، اگر انہوں نے دیکھ لی اور وہ سب کچھ حان لایا جو میں نے تمھاری ہے تو وہ اسے ضرور نقصان کھینچاں گے۔

حضرت ابوطالب- تجارت سے فارغ ہوتے ہی جلد مکہ چلے آئے۔ حضور ﷺ اب عالم شباب کے میدان میں قدم رکھ رہے تھے۔ زندگی کا یہ وہ دور ہوتا ہے جس سے شخصیت کے متعلق اندازہ کیا جاتا ہے۔ نبی مکرم ﷺ کے معاملات رکسی فردو بھی اگلست نہیں کامو قمعہ نہ لالکھے ایک نے صادق اور امین کہہ کر کہا۔

حضرت خدیجہؓ حسب ونسب میں اعلیٰ ترین قریش تھیں، مال و دولت کے لحاظ سے بھی ان کا کوئی ہمسرنہ تھا متمول اور خوشحال قبائل کے افراد آپ سے نکاح کرنے کے خواہش مند تھے مگر آپ نے ہر کسی کی خواہش کو ٹھکرایا اور اپنی خاص سہیلی نفیسہ کی وساطت سے حضرت سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں اپنے ارادے کا اظہار کیا، آپ نے اپنے پیچا حضرت ابوطالبؓ سے اس کا ذکر فرمایا تو آپ نے اسے منظور کیا چنانچہ نکاح کی تاریخ مقرر ہو گئی اور وقت مقررہ پر حضرت ابوطالبؓ اور تمام روساء خاندان جن میں حضرت مزید بھی تھے۔ حضرت خدیجہؓ کے ہاں تشریف لائے حضرت ابوطالبؓ نے خطبہ نکاح پڑھا، خطبہ کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے:

”الحمد لله الذى جعلنا من ذرية ابراهيم وزرع اسماعيل وضئضى

معدٌ و عنصر مضرٌ و جعلنا حضنة بيته الخ

اما بعد میرا یہ بھیجا تھا جن کا اگر کسی شخص سے مقابلہ اور موائزہ کیا جائے تو ازروے فضل و کمال اور باعتبار شرافت و دیانت یہی گرامی تر نکلا گا۔ یہ مالدار اور دولت مندی میں اگرچہ کم ہے مگر مال ایک ڈھلکی پھرتی چھاؤں ہے اور متغیر و مبدل ہو جانے والا حال ہے۔ محمد ﷺ وہ شخص ہے جس کی قربت جو کچھ مجھ سے ہے آپ لوگ اس کو خوب جانتے ہیں اس نے خدیجہ بنے خولید سے تزویج کا ارادہ کیا ہے۔ اور اس طرح میں نے اپنے ماں سے (خدیجہ) کے مہر موجعل (رم مقررہ) اور صداق موجعل (رم، مہر جو بورفت ادا کیا جائے) ادا کر دیا، میں خدا کی قسم سے کہتا ہوں کہ محمد ﷺ دشخص ہے جس کے لیے کوئی خبر عظیم اور اعلیٰ ترین منصب نصیب ہونے والا ہے۔^۸

حضرت ابو طالب - کے اس خطبے کو بار بار پڑھیے اور ایک ایک جملہ پر غور فرمائیے کہ آپ کا ایمان بالتوحید
مُحْمَّدٌ قَارِئٌ!

اپنے مال سے حق مہر کی ادائیگی کر رہے ہیں تھے کہ حضرت عبدالمطلبؑ کو یقین کامل تھا کہ میرا یہ بیٹا ابوطالب موحد ہے اسی لیے دنیا سے رخصت ہوتے وقت حضور ﷺ کو کسی اور بیٹے کی مگر انی میں نہ دیا۔ آقا نے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام پر زوال و حیٰ اُفراً ساسِمِ ربکَ اللّدِ خَالقَ، کی آیت مبارکہ سے ہوا تو اس کا ذکر حضور ﷺ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدمتیچہ اکبری سے فرمایا۔ حضرت علی المطہی۔ بھی اس وقت آپ کے پاس ہی رہتے تھے، آپ نے اپنے اخبارِ الحی ہونے کا جب قریش پر انشاف کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبی ہوں تو اعلانِ نبوت پر قریش میں چہ میگویاں شروع ہو گئیں جو کوئی ایک دوسرے سے ملتا ہے میں کہتا ہو اُن ظرأتا کہ کچھ سننا ابوطالب۔ کا بھتija محمد بن عبد اللہ نے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے پھر پورے مکہ اور اس کے گرد و نواح کی آبادیوں میں پھیل گئی ہر طرف سے تجربہ کا اظہار ہو نے لگا کہ محمد ﷺ ہمارے معبودوں کو برآ کہتا ہے اور وہ اس امر کی تلقین کرتا ہے کہ ہولا اللہ الا اللہ، اعلانِ نبوت کے بعد حضرت ابوطالبؑ نے جب دیکھا کہ قریش، حضور نبی کریم ﷺ کی حفاظت پر ٹھیک ہے یہ تو آپ نے قریش پر جس جذبہ اور جس شجاعانہ انداز سے اپنے خاندان کی عظمت ایمان بالتوحید اور رسول اللہ ﷺ کی حفاظت و نصرت کے لیے جان کی قربانی تک کی پرواز نہ کرنے کا عرب کے ملکی رواج کے مطابق اشعار میں چلتی فرمایا۔ تقریباً ایک سو اشعار پر مشتمل یہ قصیدہ سیرہ ابن ہشام اردو کے صفحہ ۲۵۷ تا ۲۶۸ پر ”ابوطالب“ کا مشہور قصیدہ کے عنوان سے موجود ہے۔ اسے قصیدہ اس لیے کہا گیا کہ اس میں اپنے خاندان کی عظمت و برتری کے ساتھ سرور کائنات ﷺ کے فضائل و حasan بھی شامل ہیں۔ حضرت ابوطالبؑ کی نبی کریم ﷺ کی حفاظت و نصرت اور حمایت و تائید اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے۔ لہذا حضرت ابوطالبؑ اعلانِ نبوت سے ہی آپؐ کے اس مقدس مشن میں برابر کے شریک تھے۔



”تمام تعریف اس خدائے بزرگ و برتر کے لیے سزاوار ہے جس نے ہمیں ذریت
ابراہیمؑ اور اولاد اسماعیل - نسل معداً اور صلب مضر سے پیدا کیا اور ہم کو اپنے بیت
(کعبہ) کا محافظ اور اپنے حرم محترم کا نگہبان مقرر فرمایا، ہمارے لیے ایک ایسا گھر
قرار دیا جس کا خلق خداحج کرتی ہے اور ایسی متبرک زمین عطا کی جہاں اللہ تعالیٰ کی
ملوک امن پاتی ہے ما سوا اس کے اللہ تعالیٰ نے ہم کو لوگوں پر حاکم بنایا۔۔۔“

حواله جات

- ١- اسن المطالب في نجاة أبي طالب ص ١٩، مطبع محمد آندي مصر، ١٣٠٥هـ
- ٢- الاصابي في تبيير الصحابة ج ٢، ج ١٥، مطبعة السعادة مصر، ١٣٢٨هـ الطبعة الاولى
- ٣- تفسير سراج الامانير ج ٢، ج ٥٢٥٥٥٠ مطبوعة نوكشور لكتوب، ١٢٩٣هـ
- ٤- تفسير كثیر ج ٨، ج ٢٠٠ مطبوع قسطنطينية، ١٣٠٨هـ
- ٥- تنویر المقايس من تفسیر ابن عباس ص ٢٥٢ مطبعة المشهد الحسيني قاهره، ١٣٩٦هـ
- ٦- تفسیر ابن کثیر بحاشی فتح البیان ج ٥، ج ٢٣٦ مطبع بولاق الطبعة الاولى مصر، ١٣٢٤هـ
- ٧- طبقات ابن سعد ج ١، ج ٥ تحت ذکر ابی طالب و محمد رسول اللہ علیہ السلام طبع لیدن، ١٣٣٢هـ
- ٨- المواهب اللدنییہ مع شرح الررقانی ج ١، ج ٢٠١، مطبعة الأزهرية مصر، الطبعة الاولى، ١٣٢٥هـ،
بل الحمد لله والرشاد الشامي ج ٢، ج ١٦٥، دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٣٢٨هـ
شرف المصطفی للحافظ خوش النیشاپوری المتوفی ١٣٠٢هـ، جلد اول، ج ٣١٣ طبع، دارالبساط الاسلامیہ كلہ المکتبہ مکتبہ ١٣٢٣هـ
سیرت الحلبیہ جلد اول، ج ٢٢٦، مطبعة المصطفی، مصر ١٣٨٢هـ

☆☆☆☆☆